وَمَآ آتَاكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُواْ

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکر

خطیب مکّی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو بارگاہ ربّ العالمین میں عرض قبولیت پیش کرتے ہوئے اپنے تمام "مہربان اساتذہ کرام" کے نذر کرتا ہوں جنہوں نے بندہ کی تعلیم و تربیت میں شب و روز محنت فرمائی اور جن کی شفقت اور خصوصی توجہ کے سایۂ عاطفت تلے بندہ علوم نبوّت کی پیاس بجھاتا رہا۔

اور اپنے "مرحوم والدین رحمھما اللہ" کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے علم دین کے راستے پہ مجھے ڈالا اور جن کی دعاؤں کی بدولت میں اس قابل بن سکا۔ اور اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے والدین اور مرحوم اساتذہ کو غریق رحمت فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر جنّت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے اور جو زندہ ہیں ان کو دین کی محنت کے لئے تادیر تروتازہ رکھے۔ (اللّٰھم آمین) محتاج دعاء محمّد موسیٰ شاکرؔ غفر اللہ لہٗ

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستهديه، ونستغفره ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له. وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له الذي أمر باتباع صراطه المستقيم، ونهى عن اتباع السبل المضلة، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله الذي حذّر من البدع غاية التحذير، صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم على الدين القويم، وسلم تسليماً كثيراً.

أما بعد:

اذان میں انگھوٹے چومنا

قارئین کرام: پیارے پیغمبر ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو پردہ ٔخفا میں ہو اور امّت سے پوشیدہ ہو، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا، ایک ایک فعل، نشست و برخاست، آمدورفت غرضے کہ کوئی بھی فعل پوشیدہ نہیں۔

اذان جیسی عبادت جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی تھی اور ہجرت کے بعد تقریباً دس سال مدینہ ٔطیبہ میں آپ کے سامنے ہوتی رہی اور اذان کے کلمات

نیز اذان دینے والوں کے نام اور اذان کی جملہ کیفیات احادیث کے ذخیرے میں موجود ہیں، مگر کسی بھی صحیح روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ اذان سنتے وقت انگوٹھے چومنے چاہئیں۔

جب اس فعل کا صحیح احادیث سے ثبوت ہی نہیں (اور اذان پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانے اور خیر القرون میں بھی ہوتی رہی رہے) تو پھر انگوٹھے چومنے کو آج کیسے دین کہا جا سکتا ہے، اور کس طرح اس کو دین کی نشانی بنانا درست ہے، اور نہ کرنے والوں کو کیوں کر ملامت کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ احادیث کی بے شمار کتابیں ہیں اور ان میں باقاعدہ ایک باب "الاذان" موجود ہے، ان میں کوئی بھی ایک صحیح حدیث موجود نہیں جو کہ اذان کے وقت " اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ" پر انگوٹھے چومنے پر دلالت کرتی ہو۔

اذان کے وقت حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیم

حدیث میں آتا ہے:

٦٥٧ — (٤) وعن عبدِ الله بنِ عمرو بنِ العاص، قالَ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: «إذا سمِعتُم المؤذِّنَ فقولوا مثلَ ما يقولُ، ثمَّ صلُّوا عليَّ؛ فإنَّه مَنْ صلَّى عليَّ صلاةً، صلَّى اللهُ عليه بها عشراً، ثمَّ سلُوا اللهَ لِيَ الوَسيلَةَ؛ فإنَّها منزِلَةٌ في الجنَّةِ لا تَنبغي (١) إلاَّ لعبدٍ مِنْ عِبادِ الله، وأرجُو أنْ أكونَ أنا هو، فمَنْ سأَلَ لِيَ الوَسيلَةَ حلَّتْ عليه الشَّفاعةُ». رواه مسلم.

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو (اس کے جواب میں) اس کے الفاظ کو دہراؤ اور پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے بدلہ میں خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے پھر (مجھ پر درود بھیج کر) میرے لئے (خدا سے) وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنّت کا ایک (اعلیٰ) درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندۂ خاص میں ہوں گا لہٰذا جو شخص میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا (قیامت کے روز) اس کی سفارش مجھ پر ضروری ہو جائے گی۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ البتہ چند کلمات ایسے ہیں جن کو بعینہٖ دہرانا نہیں چاہئے بلکہ ان کے جواب میں دوسرے کلمات کہنے چاہیں جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے چنانچہ فجر کی اذان میں جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو اس کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وبالحق نَطَقْتَ (یعنی تم نے سچ کہا ہے اور خیر کثیر کے مالک ہوئے اور تم نے سچ بات کہی) کہنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے اس حدیث میں انگوٹھے چومنے کا کہیں ذکر نہیں۔

دوسری حدیث میں واضح طور پر جواب کا طریقہ بتلایا:

٦٥٨ — (٥) وعن عمرَ ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : « إذا قالَ المؤذِّنُ: اللهُ أكبرُ ، اللهُ أكبرُ؛ فقالَ أحدُكم: اللهُ أكبرُ، اللهُ أكبرُ. ثمَّ قال: أشهدُ أنْ لا إلهَ إلاَّ اللهُ؛ قال: أشهدُ أنْ لا إلهَ إلاَّ اللهُ. ثمَّ قال: أشهدُ أنَّ محمَّداً رسولُ الله؛ قال: أشهدُ أنَّ محمداً رسولُ الله. ثمَّ قال: حيَّ على الصَّلاةِ؛ قال: لا حولَ ولا قوَّةَ إلاَّ باللهِ. ثمَّ قال: حيَّ على الفَلاحِ؛ قال: لا حَولَ ولا قُوَّةَ إلاَّ بالله. ثمَّ قال: اللهُ أكبرُ، اللهُ أكبرُ؛ قالَ: اللهُ أكبرُ، اللهُ أكبرُ. ثمَّ قالَ: لا إلهَ إلاَّ اللهُ؛ قال: لا إلهَ إلاَّ اللهُ مِنْ قَلبِه، دخلَ الجنَّةَ ». رواه مسلم.

٥ ـ باب فضل الأذان وإجابة المؤذن الحديث (٦٥٨)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، پھر جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے، پھر جب مؤذن اشھد ان محمد رسول اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے، پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے ہر شخص کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر جب موذن کہے لا الہ الا اللہ تو تم بھی کہو لا الہ الا اللہ جس نے (اذان کے جواب میں یہ کلمات) صدق دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (مسلم)

تشریح: یہاں اللّٰہ اکبر اختصار کی وجہ سے دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سمجھانے کے لئے دو ہی مرتبہ کہنا کافی تھا اس لئے شہادتین یعنی اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ اور اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ کو بھی صرف ایک ایک مرتبہ ہی ذکر کیا گیا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کے معنی یہ ہیں، برائی سے بچنے اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتا ہے تو وہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہے۔ لہٰذا اس کے جواب میں یہ کلمہ کہنے والا گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم اور زبردست فرض کی ادائیگی کا معاملہ ہے میں ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں۔ میری قوت و طاقت کی کیا مجال کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی متحمل ہوسکے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہی ہوتی ہے جو ہم اس امر عظیم کو پورا کرتے ہیں اور چونکہ نماز کے لئے آنے کی طاقت اور قوت خدا تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوتی ہے لہٰذا خدا ہماری مدد فرماتا ہے تو ہم نماز کے لئے آتے ہیں۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اذان کہتا ہے تو اس کے کہے ہوئے کلمات کو اسی طرح دہرانا یعنی اس کا جواب دینا مستحب ہے البتہ حیعلتین یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ پڑھنا چاہئے۔ بعض مقامات پر کچھ حضرات حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَلَمْ یَشَاءُ لَمْ یکن کہتے ہیں یہ غلط اور مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مؤذن جس طرح کہے اسی طرح جواب دو، صرف "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" پر "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھو، اس میں بھی انگوٹھے چومنے کا ذکر کہیں موجود نہیں۔

٦٧٥– (٢٢) وعن عَلْقمةَ بنِ وقَّاصٍ، قال: إني لَعِندَ معاويةَ، إذْ أذَّنَ مُؤذِّنُه، فقالَ معاويةُ كما قالَ مُؤَذِّنُه. حتى إذا قالَ: حيَّ على الصلاةِ؛ قال: لا حولَ ولا قوَّةَ إلاَّ باللهِ. فلمَّا قالَ: حيَّ على الفَلاحِ؛ قال: لا حوْلَ ولا قوَّةَ إلاَّ باللهِ العَليِّ العَظيمِ[٢]. وقالَ بعدَ ذلكَ ما قالَ المؤَذِّنُ. ثمَّ قالَ: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ قالَ ذلك. رواه أحمد[٣].

"اور حضرت علقمہ ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کے مؤذن نے اذان دی، چنانچہ مؤذن جس طرح کہتا تھا حضرت معاویہؓ بھی اسی طرح (اس کے ساتھ ساتھ) کہتے رہے، جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اس کے بعد مؤذن جو کچھ کہتا رہا حضرت معاویہؓ بھی کہتے رہے۔ (پھر فارغ ہو کر) حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے سرور کائنات ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔" (احمد)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے بعد العلی العظیم کا اضافہ مرویات میں نادر ہے۔

۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ یُنَادِی فَلَمَّا سَکَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا یَقِیْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور اذان کہنے لگے۔ جب وہ (اذان دے کر) خاموش ہوگئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اسی طرح یقیناً (یعنی خلوص دل سے) کہا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص یقین و اعتماد کی پوری قوت اور دل کے پورے خلوص کے ساتھ ان کلمات کو یا تو اذان میں کہے یا اذان کے جواب میں کہے یا مطلقاً کہے تو وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا یا نجات پانے والوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ "پر بھی جواب " اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ " کہنا ہے نا کہ صرف ﷺ اور نہ انگوٹھا چومنا، جو لوگ اس طرح کرتے ہیں یعنی ﷺ کہتے اور اور انگوٹھے چومتے ہیں "اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ " پر یہ حضرات حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ: یہ لوگ جو انگوٹھے چومتے ہیں وہ صرف انگوٹھے ہی کو چومتے ہیں، اگر ان کو پیارے پیغمبر ﷺ سے محبّت ہوتی تو حضور ﷺ کے نام نامی کو چومتے نہ کہ صرف انگوٹھے کو۔

۳: اسی طرح یہ تعلیم دی گئی کہ: صبح کی اذان میں "الصَّلوٰۃ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم " کے جواب میں "صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ " کے الفاظ کہو۔

(کتاب الاذکار للنووی ص ۳۷)

۴: اقامت یعنی تکبیر میں " قد قامت الصلوٰۃ " کے جواب میں "اقامَھَا اللّٰہُ وَ اَدَامَھَا " کے الفاظ کہے جائیں۔(سنن ابی داوٗد) ج ا ص ۷۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بریلویوں کی ایجاد جو انگوٹھا چومنا ہے اور اسے انہوں نے دین کا حصّہ بنایا ہے، جس کا ثبوت نہ پیارے پیغمبر ﷺ کے عمل سے ہے، اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے، نہ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے، اور نہ محدثین اور فقہاءؒ سے۔

جب شریعت میں اس کا ثبوت ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ دین میں یہ ایجاد ہے، اور پیارے پیغمبر ﷺ پر بد اعتمادی کا اظہار بھی ہے۔ معاذاللہ ثم معاذ اللہ۔

جو اعمال بھی مستحسن تھے وہ ہمیں پیارے پیغمبر ﷺ نے بتا دیئے، اب اس میں اپنی طرف سے پیوند لگانا ہم اہل سنّت والجماعت کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا کیوں کہ یہ شانِ نبوت میں گستاخی ہے جیسا کہ بعض مبتدعین اذان و اقامت میں آپ ﷺ کے نام نامی پر انگوٹھے چومتے ہیں، ذخیرہ قرآن واحادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اس عمل کو جائز ثابت کرنے کے لئے ان حضرات کو من گھڑت قصّوں کا سہارا ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اب ہم ان کے ان من گھڑت قصوں اور روایات کا ذکر کریں گے، اور علمائے امّت کے جوابات بھی۔

انگوٹھے چومنے کی من گھڑت روایات

ایک قصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ جسے علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے المقاصد الحسنہ باب المیم میں نقل کرکے خود فرمایا کہ "ولا یصح" یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے۔

علامہ سخاویؒ کی پوری عبارت درج ذیل ہے۔ ذَكَرَهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْأَنْمُلَتَيْنِ السَّبَّابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَلٰى عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِي فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي، وَلَا يَصِحُّ

بیان کیا ہے دیلمی نے کتاب مسند الفردوس میں سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حدیث سے، بیشک سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب مؤذن کا قول "اَشْهَدُ اَنَّ محمّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه" سنا، تو یہ دعا" رَضِیْتُ با اللّٰہِ رَبًّا وَّ بالاِسْلامِ دِیْنًا وَ بمُحَمَّدٍ ﷺ نَبیًّا" پڑھی اور انہوں نے شہادت کی انگلیوں کے پورے یعنی انگلیوں کے باطن (اندر کے) حصّے کو چوما اور

آنکھوں سے لگایا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اس طرح عمل کرے گا جو میرے دوست صدیق اکبرؓ نے کیا تو میری شفاعت اس کے لئے واجب ہو جائے گی۔ اور علامہ سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۴) میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لا یَصِحُّ یعنی یہ روایت درست نہیں فرمایا ہے،۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

ایں روایت در مسند الفردوس الدیلمی واقع است، وآں کتاب مخصوص برائے جمع احادیث ضعیفہ واہیہ است۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۲)

یعنی یہ روایت مسند الفردوس میں ہے جو کہ بیکار قسم کی ضعیف روایتوں کے جمع کرنے کے لئے ہی مخصوص ہے۔

احادیث میں اذان کی اجابت کے بارے میں پیارے پیغمبر ﷺ نے جو طریقہ سکھلایا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اس کو چھوڑ کر ان ضعیف اور منکر

روایات پر عمل کرنا انتہائی درجے کی سینہ زوری اور مکابرہ (مقابلہ) اور جھگڑا کرنا ہے۔

کمزور روایات پر عمل کرنے کی شرائط

اس روایت کے جواب سے پہلے وہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے جو شہید اسلام مولانا محمّد یوسف لدھیانویؒ نے اپنی کتاب اختلاف امّت اور صراط مستقیم کے صفحہ نمبر ۱۱۶ پر تحریر فرمایا ہے کہ: صاحب در مختارؒ نے خیر رملیؒ سے اور ابن عابدین نے امام سیوطیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ کمزور روایات پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ روایت بہت زیادہ کمزور نہ ہو مثلاً اس کا کوئی راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم ہو، دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔ (ردالمختار ص ۱۲۸ ج ۱)

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اذان و اقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے بدقسمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔

اول تو وہ روایت ایسی مہمل ہے کہ ماہرین علم حدیث نے اس کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔

دوسرے، یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔

تیسرے، اس کو کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار تصور کرتے ہیں، اور علامہ شامیؒ اور دیگر اکابر نے ایسا کرنے کو افتراء علی الرسول قرار دیا ہے۔

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ اذان و اقامت دن میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ دس مرتبہ دہرائی جاتی ہے۔ اب اگر اذان و اقامت کے وقت انگوٹھے چومنا سنت ہوتا تو جس طرح اذان و اقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے۔ اور مناروں پر گونجتی ہے اسی طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا۔ حدیث کو ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا۔ اور مشرق سے مغرب تک پوری امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

علمائے امت نے تصریح کی ہے امت کے عملی تواتر کے مقابلے میں صحیح ترین حدیث بھی موجود ہو تو اس کو یا تو منسوخ سمجھا جائے گا. یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ بہرحال ایک متواتر عمل کے مقابلے میں کسی روایت پر عمل کرنا صحیح نہیں، امام ابو بکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" میں اس قاعدے کو بڑی تفصیل سے لکھا

ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر ہمارے آئمہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند کے لئے ایک دو آدمیوں کی شہادت کافی نہیں۔ بلکہ شہادت دینے والی اتنی بڑی جماعت ہونی چاہئے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اس لئے کہ اکا دکا آدمی کی شہادت پر اعتماد کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اس علاقے کے لاکھوں انسانوں کو گویا اندھا فرض کر رہے ہیں۔ (احکام القرآن ص)

امام سرخسیؒ کسی روایت کے انقطاع معنوی کی چار صورتیں قرار دیتے ہیں:

اول: وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو۔

دوم: سنت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو۔

سوم: ایسے مسئلہ میں، جس کی ضرورت ہر خاص و عام کو ہے، وہ امت کے تعامل کے خلاف ہو۔

چہارم: سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ مگر کسی نے اس کا حوالہ نہ دیا۔

(اصول السرخسی ص ۳۶۴ ج ۱)

دوسری صورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ الْغَرِيْبُ مِنْ الْخَبَارِ الْآحَادِ إِذَا خَالَفَ السُّنَّةَ الْمَشْهُوْرَةَ فَهُوَ مُنْقَطِعٌ فِيْ حُكْمِ الْعَمَلِ بِهٖ۔ لِأَنَّ مَا يَكُوْنُ مُتَوَاتِرًا مِّنَ السُّنَّةِ اَوْ مُسْتَفِيْضًا اَوْ مُجْمَعًا عَلَيْهِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْكِتَابِ فِيْ ثُبُوْتِ عِلْمِ الْيَقِيْنِ، وَمَا فِيْهِ شُبْهَةٌ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ فِيْ مُقَابَلَةِ عِلْمِ الْيَقِيْنِ۔ (ص ۳۶۶)

ترجمہ:۔ اسی طرح اسی خبر واحد، جس کا راوی صرف ایک ہو۔ جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو (وہ صحیح الاسناد ہونے کے باوجود) عمل کے حق میں منقطع تصور ہوگی کیونکہ جو سنت کہ متواتر، مستفیض اور مجمع علیہ ہو وہ علم الیقین کے ثبوت میں بمنزلہ کتاب اللہ کے ہے۔ اور جس چیز میں شبہ ہو وہ علم الیقین کے مقابلہ میں مردود ہے۔ (ص ۳۶۶)

اس ذیل میں امام سرخسیؒ نے پتے کی بات لکھی ہے۔ اور دراصل اسی کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں وہ فرماتے ہیں:

فَفِيْ هٰذَا النَّوْعَيْنِ مِنَ الْإِنْتِقَادِ لِلْحَدِيْثِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ وَصِيَانَةٌ لِلدِّيْنِ بَلِيْغَةٌ، فَإِنَّ اَصْلَ الْبِدَعِ وَالْأَهْوَاءِ إِنَّمَا ظَهَرَ مِنْ قِبَلِ تَرْكِ عَرْضِ اَخْبَارِ الْآحَادِ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ۔

ترجمہ:۔ روایات کو ان دونوں طریقوں سے پرکھنا بہت بڑا علم ہے۔ اور دین کی بہترین حفاظت ـــــ کیونکہ بدعات و خواہشات کی اصل یہیں سے ظاہر ہوئی کہ ان افواہی روایات کو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ سے نہیں جانچا گیا۔

آپ غور کریں گے تو تمام بدعات کا سرمنشایہی ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور امت کے عملی تواتر سے آنکھیں بند کر کے ادھر ادھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انہیں دین بنالیا گیا. اور پھر کتاب و سنت کو اس پر چسپاں کیا جانے لگا. امام سرخسی لکھتے ہیں۔

انگوٹھے چومنا صحابہ اکرام پر بداعتمادی ہے

فَاِنَّ قَوْمًا جَعَلُوْهَا اَصْلًا مَعَ الشُّبْهَةِ فِیْ اِتِّصَالِهَا بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اِنَّهَا لَا تُوْجِبُ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ثُمَّ تَاَوَّلُوْا عَلَیْهَا الْکِتَابَ وَالسُّنَّةَ الْمَشْهُوْرَةَ وَجَعَلُوْا التَّبَعَ مَتْبُوْعًا، وَجَعَلُوْا الْاَسَاسَ مَاهُوَ غَیْرُ مُتَیَقَّنٍ بِهٖ، فَوَقَعُوْا فِی الْاَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ (ص۳۶۷)

ترجمہ:۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے ان شاذ روایات کو اصل بنالیا. حالانکہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مشتبہ تھی۔ اور باوجودیکہ ان سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تھا. اور پھر کتاب اللہ اور سنت مشہورہ میں تاویلیں کر کے اس پر چسپاں کرنا شروع کر دیا پس انہوں نے تابع کو متبوع اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنالیا۔ اس طرح اہوا و بدعات کے گڑھے میں جاگرے۔

ٹھیک اسی معیار پر انگوٹھے چومنے کی اس بے اصل روایت کا قصہ بالکل جعلی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم صحابہ و تابعین اور بعد کی ساری امت کے تعامل کو جھٹلا رہے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہوتی تو ناممکن تھا کہ صحابہ و تابعین کی پوری

جماعت دن میں دس مرتبہ اس پر عمل نہ کرتی۔ اور ناممکن تھا کہ تمام کتب حدیث میں اس کو جگہ نہ ملتی۔

مباح عمل میں بدعت کی آمیزش ہو تو وہ عمل ناجائز ہے

دوم: جو عمل بذات خود مباح ہو مگر اس میں بدعت کی آمیزش ہوجائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

حدیث وفقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے آئمہ احناف نے نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (عالمگیری ص ۱۳۶ ج ۱، شامی ص ۱۲۰ ج ۱۲)
درمختار (قبیل صلوٰۃ المسافر) وغیرہ میں ہے

سَجْدَۃُ الشُّکْرِ مُسْتَحَبَّۃٌ۔ بِہٖ یُفْتیٰ، لٰکِنَّھَا تُکْرَہُ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ، لِاَنَّ الْجَھَلَۃَ یَعْتَقِدُوْنَھَا سُنَّۃً اَوْ وَاجِبَۃً، وَکُلُّ مُبَاحٍ یُؤَدِّیْ اِلَیْہِ فَھُوَ مَکْرُوْہٌ۔

ترجمہ:۔ سجدہ شکر مستحب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے، کیونکہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں گے، اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہو وہ مکروہ ہے۔

علامہ شامیؒ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات کو، جو دین نہیں، دین میں ٹھونسنے کے مترادف ہے۔

(ردالمختار ص ۱۲۰ ج ۲)

مستحب عمل کو لازم سمجھنا گناہ اور بدعت ہے

سوم: ایک چیز بذات خود مستحب اور مندوب ہے۔ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اکثر و بیشتر

داہنی جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ لگالے کہ دائیں جانب سے گھومنے ہی کو ضروری سمجھنے لگے میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بسااوقات بائیں جانب سے گھوم کر متوجہ ہوا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۸۵)

فقہ کا مسئلہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے۔ تو وہ

مکروہ ہوجاتا ہے واستنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن مرتبتہ۔

ترجمہ۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مستحب چیز بھی مکروہ ہوجاتی ہے جب اُسے اپنے درجہ سے اُونچا کیا جائے۔

۲ مجمع البحار جلد ۲ ص ۲۴۴

حافظ ابن حجر عسقلانی رح بھی لکھتے ہیں:۔

ان المندوبات قد تنقلب مکروهات اذا رفعت عن مرتبتها لان التیامن مستحب فی کل شیٔ من امور العبادة لکن لما خشی ابن مسعود ان یعتقدوا وجوبه اشار الی کراهته۔ [1]

[1] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۸۱

کفار سے مشابہت والا فعل ناجائز ہے

چہارم: جس فعل میں کفار و فجار اور اہل بدعت کا تشبہ پایا جائے اس کا ترک لازم ہے. کیونکہ بہت سی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و فجار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (مشکوٰۃ صہ ۳۷۵)

ترجمہ:۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہو گا۔

اسی قاعدے کے تحت علمائے اہل سنت نے محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے "تذکرہ شہادت" سے منع کیا ہے۔ اصول الصفار اور جامع الرموز میں ہے:

تسُئِلَ رَضِیَ اللہ عَنْہُ عَنْ ذِکْرِ مَقْتَلِ الْحُسَیْنِ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَا أَیَجُوْزُ أَمْ لَا، قَالَ لَا، لِأَنَّ ذٰلِکَ مِنْ شِعَارِ الرَّوَافِضِ۔ (بحوالہ الجنۃ لاھل السنۃ ص ۱۴۰)

ترجمہ:۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا دس محرم کو شہادت حسینؓ کا تذکرہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا، جائز نہیں کیونکہ یہ رافضیوں کا یہ شعار ہے۔ (بحوالہ الجنۃ لاھل السنۃ ص ۱۴۰)

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ وہ تمام افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے۔

کسی فعل کے سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو کیا کرے

پنجم: جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترکِ سنت فعل بدعت سے بہتر ہے۔ (البحر الرائق ص ۲۱ ج ۲) اور ردالمحتار ص ۶۴۲ ج ۱ میں ہے:

إِذَا تَرَدَّدَ الْحُکْمُ بَیْنَ سُنَّۃٍ وَبِدْعَۃٍ کَانَ تَرْکُ السُّنَّۃِ رَاجِحًا عَلٰی فِعْلِ الْبِدْعَۃِ۔

ترجمہ:۔ جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو سنت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کرنے کے راجح ہے۔

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اسے سنت بتاتے ہوں اور بعض بدعت۔
سنت و بدعت کے سلسلہ میں جو نکات میں نے ذکر کیے ہیں اگر ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کہ اہل سنت کون ہیں۔ میں اس بحث کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی وصیت پر ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

"و آں راہ دیگر بزعم فقیر التزام متابعت سنت سنیہ است علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ واجتناب از اسم و رسم بدعت ـــــ تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز ننماید بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ۔ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند۔ و با حیائے سنت لب کشاید۔

اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت۔ بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتویٰ می دہند۔ و مردم را ببدعت ولالت می نمایند۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۴

ترجمہ:۔ وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے) اس فقیر کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام و رسم سے بھی اجتناب کرنا ہے آدمی جب تک بدعت سیئہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی بو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج کل از بس دشوار ہے۔ کیونکہ جہاں کا جہان دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم مارے؟ یا کسی سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔

اس دور کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں، اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔"

(ملخص اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۱۵ تا ۱۲۰)

دیگر موضوع روایات

۲: انگوٹھے چومنے کے بارے میں دوسری روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرا نام سنا اذان میں اور اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو چوما اور آنکھوں پر ملا تو وہ شخص کبھی بھی فکر مند اور غمگین نہ ہو گا۔

۳: تیسری روایت حضرت حضر علیہ السلام کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ:

عن الحضر علیہ السلام انّہ قالَ مَنْ قالَ حِیْن یسمعُ الْمُؤذّن یَقُوْل اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُول اللہ ﷺ مرحبًا بحَبَیْبِی وقرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّد بن عبد اللہ ﷺ ثم قبّل ابہامَیْہِ و یجعلھما علیٰ عَیْنَیْہ لم یر بد ابدا ۔

(قبائل انتخاب ص ۱۱: از مقاصد حسنہ ص ۳۸۴)

سیدنا حضرت حضر علیہ السلام سے مروی ہے، بیشک انہوں نے فرمایا کہ جب مؤذن سے سنے وہ کہہ رہا ہے "اشھد انَّ مُحَمَّدا رَّسُوْلُ اللہ" تو "مرحبا بحبیبی وقرّۃ عینی محمّد بن عبد اللہ ﷺ" کہے، پھر چومے اپنے دونوں انگوٹھوں کو اور رکھے دونوں انگوٹھوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر، کبھی نہ دُکھیں۔

حضرت علّامہ امام سخاویؒ نے اپنی کتاب " المقاصد الحسنۃ" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔

مرفوع وہ حدیث ہوتی ہے جس کو صحابی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرے "شرح الیمانی" میں لکھا ہے کہ: مکروہ ہے انگوٹھوں کو چُومنا اور آنکھوں پر رکھنا کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اور جو روایات آئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

(حاشیہ جلالین ص: ۳۵۷)

نیز اس روایت کی بابت مقاصد حسنہ میں خود

علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ « وَكَذَا مَا اَوْرَدَهٗ اَبُو الْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرِ الرَّدَّادِ الْيَمَانِیُّ الْمُتَصَوِّفُ فِیْ كِتَابِهٖ مُوْجِبَاتُ الرَّحْمَةِ وَعَزَائِمُ الْمَغْفِرَةِ

بِسَنَدٍ فِيْهِ مَجَاهِيْلُ مَعَ انْقِطَاعِهٖ عَنِ الْخَضِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

(اَلْمَقَاصِدُ الْحَسَنَةِ، باب المیم)

ترجمہ: " اور اسی طرح وہ قصہ بھی غلط ہے جس کو ابو العباس یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات

الرحمۃ وعزائم المغفرۃ" میں درج کیا ہے، چونکہ اس کی سند میں بہت سے نامعلوم (مجہول لوگ ہیں
ساتھ ہی ساتھ یہ کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ سرے سے راوی کی ملاقات ہی ثابت نہیں"۔

☆اسی طرح ایک روایت حضرت حسنؓ کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ:

عن الحسنؓ انہ قال من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد انَّ محمَّدا رَّسُول اللہ ﷺ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ ویقبّل ابھامیہ و یجعلھما علیٰ عینیہ لم یعم ولم یر مد ۔

(مقاصد حسنہ ص ۳۸۵)

سیدنا حضرت حسنؓ سے مروی ہے، بیشک انہوں نے فرمایا کہ جب مؤذن سے سنے وہ کہہ رہا ہے "اشھد انَّ مُحَمَّدا رَّسُوْلُ اللہ" تو "مرحبا بحبیبی وقرَّۃ عینی محمَّد بن عبد اللہ ﷺ" کہے، پھر چومے اپنے دونوں انگوٹھوں کو اور رکھے دونوں انگوٹھوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر، کبھی اندھا نہ ہو اور نہ دُکھیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ (تحفۂ اثنا عشریہ ص:۴۹۴) پر تحریر فرماتے ہیں:

اعتبار حدیث نزد اہل سنّت بیافتن حدیث در کتب مسندئہ محدّثین است مع الحکم بالصحۃ، وحدیث بے سند نزد ایشاں شتر بے مہار است کہ اصلا گوش بان نمی نہند۔

اہل سنّت کے نزدیک حدیث قابل اعتبار اسی وقت ہو گی جب باسند محدثین کی کتابوں میں پائی جائے، اور اس پر درست ہونے کا حکم بھی لگایا گیا ہو، اور بے سند حدیث اہل سنّت کے یہاں بے نکیل کا اونٹ ہے جس پر یہ لوگ کوئی دھیان نہیں دیتے۔

☆اسی طرح ایک روایت حضرت طاؤسؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ:

وقال الطؤسی انّہ سمع من الشمس محمد بن ابی نصر البخاری خواجہ حدیث :من قبّل عند سِماعہ من المؤذن کلمۃ الشّھادۃ ظفرَیْ ابھامَیْہ و مسحھما علی

عینیہ وقال عند المسّ اللھم احفظ حدقتی و نوِّر ھما ببر کۃ حدقتی محمَّد رسول اللہ ﷺ ، ونوّر ھما،لم یعم۔ (المقاصد الحسنہ ص:۳۸۵)

حضرت طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے حدیث سنی کہ جو شخص مؤذن سے کلمۂ شہادت سن کر آپ ﷺ کے نام نامی پر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دعاء پڑھے: اللّٰھم احفظ حدقتی و نوّر ھما ببر کۃ حدقتی محمَّد رَّسول اللہ ﷺ ، ونوِّر ھما،

تو وہ اندھا نہیں ہو گا۔

مزید بر آں اس حدیث میں غور طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں ایک اختلاف یہ بھی پایا جارہا ہے کہ مؤذن سے کلمہ شہادت سننے کے وقت جو وظیفہ یا

دعاء اب تک نقل کی گئی تھی، اس کے بر خلاف اس روایت میں دوسرے قسم کے بالکل الگ نئے دعائیہ الفاظ منقول ہیں۔

اہل بدعت نے اپنے اس خودساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی کے نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپ حضرات اجلہ محدثین سے سُن چکے ہیں۔ اس دور کے اہل بدعت نے کہا زمین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اب ان کے نام سے بھی انہوں نے ایک روایت گھڑلی مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں :۔

حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نُور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرطِ محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔[1]

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نُورِ مصطفوی ہے جو آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا۔ کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کبھی نُورِ مصطفوی چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چومتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدم ثانی کا دعوےٰ کرنا آپ کے پیش نظر ہو۔ اور اس پر آپ اپنے انگوٹھوں میں نُورِ مصطفوی چمکنے کے مدعی ہوں۔

پہلے خلیفۃ اللہ فی الارض ہوں (جیسے آدم علیہ السلام) یا پہلے خلیفہ راشد (حضرت ابوبکر صدیق رضی) بریلویوں نے ان کے نام سے اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایات بنا رکھی ہیں۔

[1] جاء الحق صـ ۳۸۰

نوٹ: مفتی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے وہ ان کی زبان سے سنیئے اور ان محققین کے اس اعتماد پر سر دھنیئے:۔

ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا..... اس میں لکھا ہے۔

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پس آدم علیہ السلام نے بمنّت یہ کہا کہ اے پروردگار یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما۔ تب اللہ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی۔ پھر آگے ہے) تب پہلے انسان نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا، اور اپنی دونوں آنکھوں سے ملا۔ (مقیاس حنفیت ص: ۶۰۴)

ان تمام روایات کو ذکر کرنے کے بعد علامہ سخاویؒ نے مقاصد حسنہ کے اسی صفحہ پر اس حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کہ یہ باتیں درست نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

ولا يَصِحُّ فِي الْمَرْفُوع من كل هذا شئی۔ (المقاصد حسنہ: ص ۳۸۵)

حدیث مرفوع کے ذریعہ ان باتوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

لا یصح فی المرفوع" کا مطلب کیا ہے؟

مفتی احمد یار خان صاحب نے علامہ سخاوی کی مذکورہ عبارت سے یہ مطلب نکالنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ علامہ سخاوی کے نزدیک یہ بات حدیث مرفوع سے نہیں ثابت ہے بلکہ حدیث موقوف سے ثابت ہے، اسی طرح کا وہم ملا علی قاریؒ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے۔ لیکن یہ مطلب نکالنا سراسر محدثین کے طرز کلام اور ان کی اصطلاح سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اگر ایسی بات ہوتی تو علامہ سخاویؒ مذکورہ عبارت کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ یہ بات حدیث موقوف سے ثابت ہے۔ لہٰذا علامہ سخاویؒ یا دوسرے محدثین نے اس طرح کی جو عبارت تحریر فرمائی ہے، اس سے ان کا مطلب صرف مرفوع کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مطلب مرفوع اور موقوف دونوں روایتوں کی نفی کرنا ہے المقاصد الحسنہ کے ۱۹۵۶ء کے مصری نسخہ میں علامہ سخاوی کے

لایصح پر یہ تصریح موجود ہے، جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ ساری روایات من گھڑت اور باطل ہیں۔

وحکی الخطاب فی شرح مختصرۃ خلیل حکایۃ اخرٰی غیر ما ھنا، و توسع فی ذلک ولایصح شئی من ھٰذا فی المرفوع کما قال المؤلف بل کلہ مختلق ،موضوع۔

(تعلیق المقاصد حسنہ:ص۳۸۵: ازعبداللہ محمد صدیق الازہری الغماری)

حطاب نے شرح مختصرہ خلیل میں دوسری حکایت نقل کی ہے جو اس جگہ نقل کی گئی حکایتوں کے علاوہ ہے، اور انہوں نے اس معاملے میں نرم روی اختیار کی ہے، حالانکہ ان میں سے کچھ بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، جیسا کہ مؤلف(یعنی علامہ سخاوی نے فرمایا ہے) بلکہ یہ ساری باتیں ہی من گھڑت اور جعلی ہیں۔

باقی جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ "لایصح رفعہ یا لا یصح فی المرفوع " تو وہ ابن صالح وغیرہ بعض شیوخ کی موقوف روایات کے پیش

نظر ہے، وہ اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تب بھی موقوف ہونے کی وجہ سے حجّت نہیں ہیں، خصوصاجبکہ ابن صالحؒ وغیرہ صحابی بھی نہیں ہیں، ملا علی قاریؒ کا وہم کوئی نئی چیز نہیں، امام عبداللہ ابن مبارکؒ نے خوب کہا ہے:

" ومَنْ ذا سَلِمَ من الوَهْم" (لسان المیزان ج۱ص:۱۷)

وہم سے کون بچ سکتا ہے۔ الا من عصمہ اللہ تعالیٰ۔

اس جگہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ لا یصحّ کا یہ مطلب نکالنا کہ حدیث صحیح تو نہیں مگر حسن ہے، اصطلاح حدیث اور علم حدیث سے جہالت کی نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں۔ محدّثین جب لا یصحّ فرماتے ہیں تو روایت کی صحت کا مطلق اور کلی طور پر انکار ہی ان کا مطلب ہوتا ہے ورنہ لا یصحُّ کا ساتھ لٰکن حسن، یا بل ھو حسن "وغیرہ جیسے الفاظ کا اضافہ ضرور فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ والی وہ روایت جس میں "رضیت با للہ ربًّا "

والی دعاء کا تذکرہ ہے، اور جسے طحطاوی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے اس کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

ذکر الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابی بکرؓ الصِّدیق انَّ النَّبی ﷺ قال من فعل ذالک فقد حلت علیہ شفاعتی ، قال السخاوی لا یصح۔

(الموضوعات الکبیر مطبوعہ کراچی ص۱۰۸)

دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ عمل کرے گا، اس کے لئے میری شفاعت ضرور ہو گی۔ علامہ سخاویؒ نے فرمایا کہ یہ روایت درست نہیں ہے۔

مزید بر آں ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

و اوردہ الشیخ احمد الرداد فی کتابہ مو جبات الرَّحمۃ بسندٍ فیہ مجاھیل مع انقطاعہ عن الحضرؐ۔

شیخ احمد رداد نے یہی روایت اپنی کتاب موجبات رحمت میں حضرت حضر علیہ السلام کے حوالہ سے ذکر کی ہے لیکن اس کی سند میں انقطاع کے علاوہ بہت سے مجھول لوگ ہیں۔

اس جگہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ روایت مزکورہ بے بنیاد اور غلط ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ حضرت ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

وکل مایروی فی ھٰذا فلا یصح رفعہ البتۃ۔

(الموضوعات الکبیر ص: ۱۰۸)

اس معاملے میں جتنی بھی روایتیں پیش کی جاتیں ہیں، ان میں سے ایک کا بھی فرمان رسول ہونا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ بات کسی صحابیؓ کے

قول و فعل سے صحیح طریقہ پر ثابت ہو سکی ہے، اور اسی بات کو سمجھاتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

اذا ثبت رفعه علی الصِّدیق فیکفی العمل۔

(الموضوعات الکبیر ص: ۱۰۸)

اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی اس کا ثبوت ہو جائے تو عمل کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام: علمائے اہل سنّت اور محدثین کرام کے نزدیک تو اذان کے وقت بھی یہ عمل بے ثبوت اور بدعت سیئہ تھا، لیکن اہل بدعت کیسے صبر کرتے، انہوں نے چوں چوں کا شور و غوغا مچانا شروع کر دیا، نہ صرف اذان کے وقت کی قید اڑادی، بلکہ اس بدعت کے جواز و استحباب کی سند دینے لگے اور پھر ان گنت جھوٹی اور غلط روایتوں کو جمع کرنے لگے، حالانکہ علم والے جانتے ہیں

کہ نہ یہ روایتیں احادیث ہیں اور نہ یہ عمل جائز ہے، چنانچہ علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ لکھتے ہیں۔

والحق ان تقبیل الظفرین عند سماع الاسم النَّبوی فی الاقامۃ وغیرھا کلما ذکر اسمہ علیہ الصَّلوٰہ والسَّلام ممَّا لم یرد فیہ خبر ولا اثر ، ومن قال بہ فھو المفتری الاکبر ،فھو بدعۃ شنیعۃ سیِّئۃ لا اصل لھا فی کتب الشَّریعۃ ومن ادعیٰ فعلیہ البیان۔ (سعایہ ج۱:ص۴۶)

سچی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نام اقامت یا اس کے علاوہ دوسرے مواقع پر سننے کے وقت انگلیوں کے چومنے کے سلسلے میں نہ کوئی حدیث رسول صحیح طریقے پر وارد ہے اور نہ کسی صحابی کا قول یا فعل ہی صحیح طریقے پر مروی ہے، لہٰذا جو شخص اس عمل کا قائل ہے وہ بہت بڑا بہتان گڑھنے والا ہے، اس لئے یہ عمل بدترین قسم کی بدعت سیئہ ہے، جس کی شرعی کتابوں میں کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے۔

(ملخص انگشت بوسی سے بائیبل بوسی تک ص ٦٦-٧۵ مولانا طاہر حسین گیاوی)

فن حدیث میں موضوع احادیث پر کتب

فن حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علامہ طاہر حنفی کی تذکرۃ الموضوعات اور ملا علی قاریؒ کی موضوعاتِ کبیر بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب ص۳۶ اور ص۵ پر یہ روایت لا یصح کہہ کر نقل کی گئی ہے۔ اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لا یصح اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی نہ ہوا اور ان کتابوں کا اسلوب سمجھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ یہاں لا یصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت نہیں ـــــ علامہ سخاویؒ نے اسے مقاصدِ حسنہ میں بھی نقل کیا ہے۔ مگر ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اسے علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ہی لا یصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔ ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجہ تک لایا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے انگوٹھوں کے چومنے کی روایات کو صرف ضعیفہ نہیں کہا ضعیفہ مجروحہ کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد۔[1]

[1] ابر المقال ص۱، ص۱۱ مطبوعہ حسنی پریس

اور مجموعہ رسائل ج۲ صفحہ ۱۵۵) پر لکھتے ہیں:

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے۔ کلام سے خالی نہیں پس جو اسکے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے۔" بے شک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل ابہامین وارد ہے"

(احمد رضا خان۔ مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۱۵۵)

یہاں مولانا احمد رضا خاں نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے۔ اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا درجہ باقی رہ جاتا ہے اس پر آپ خود غور فرمالیں۔

ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شرائط

یہاں بعض علماء کو ایک غلطی لگی کہ۔ یہ باتیں ضعیف ہیں اور فضائل میں ضعیف کمزور روایتوں پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ان باتوں کے ثبوت کا ضعیف احتمال بھی ہو تو شاید ان کا کہنا درست ہو گا۔ جب کہ یہ باتیں سرے سے من گھڑت اور موضوع ہیں تو کسی درجہ میں بھی عمل کی بنیاد نہیں بن سکتیں

چنانچہ مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

(جاء الحق ص: ۳۸۳)

جمہور علماء کے نزدیک اگرچہ ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ ضعیف احادیث پر جو محدثین کرامؒ نے عمل جائز قرار دیا ہے وہ مطلق نہیں بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مقید ہے، وہ شرائط کیا ہیں؟ حضرت امام سخاویؒ (المتوفٰی ۹۰۲ھ) اپنے شیخ حضرت حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

انّ شرائط العمل با لضّعیف ثلاثۃ ،

الاوّل: متفق علیہ وان یّکون الضعیف غیر شدید ،فیخرج من انفراد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطہ .

الثانی: ان یکون مندرجا تحت اصل عام فیخرج ما یخترع بحیث لا یکون لہ اصل اصلا۔

الثالث: ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبو تہ لئلا ینسب الیٰ النبی ﷺ مالم یقلہ۔ (القول البدیع ص:۱۹۵)

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں:

(۱) جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو۔ لہٰذا جس حدیث میں کوئی کذاب (نہایت جھوٹا) یامتھم بالکذب (ہر بات میں جھوٹ بولنے والا) یاایساراوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہو گی۔

(۲) یہ کہ وہ عام قاعدے کے تحت درج ہو، اس سے وہ خارج ہو گئی جس کی کوئی اصل نہ ہو، اور محض اختراع (اپنی طبیعت سے نئی پیدا) کی گئی ہو۔

(۳)

ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے:۔

لا یعتقد عند العمل به ثبوته۔[۲] [۲] القول البدیع للسخاوی

تاکہ آپ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں موجود نہ ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہو گی۔ آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے، کیوں کہ جو چیز وثوق کے ساتھ آں حضرت ﷺ سے ثابت نہیں اس کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجۂ اوّل کی متواتر حدیث "من كذب على" (الحدیث) کے بہ ظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:

واَمّا العمل با لضّعیف فی فضائل الاعمال فدعوی الاتفاق فیہ باطلۃ، نعم ھو مذھب الجمھور لٰکنّہ مشروط بان لا یکون الحدیث ضعیفًا شدید الضُّعف فان کان کذالک لم یقبل فی الفضائل ایضًا۔

(الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۳۱۰)

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعوٰی کرنا باطل ہے، ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہ فضائل اعمال کی حدیث موضوع (من گھڑت) بھی نہ ہو۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ سابقہ شرطوں کے ساتھ فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز اور مستحب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ موضوع نہ ہو۔ اگر روایت موضوع ہو گی تو ہر گز قابل عمل نہ ہو گی۔

حافظ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

وان کان ضَعیفاً لا یَدْ خُل فی حیَّزِ الموضوع فان احدث شعارا فی الدّین مُنِعَ مِنہ وَاِن لَّمْ یُحْدِثْ فھُوَ مَحَلُّ نَظَرِ۔

(احکام الاحکام ج ا ص:۵۱)

اگر ضعیف حدیث ہو بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو، تو اس پر عمل جائز ہے، لیکن اگر اس سے دین کے اندر کوئی شعار قائم اور پیدا ہو تا ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا، ورنہ اس پر غور کیا جائے گا۔

لیجئے! یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی، اور وہ یہ کہ ضعیف حدیث اس وقت قابل عمل ہو گی جب کہ موضوع اور جعلی نہ ہو اور ساتھ ہی وہ دین کا شعار اور علامت نہ ٹھرالی گئی ہو، اگر دین کی علامت یا شعار کا خطرہ ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ اور اہل بدعت حضرات خیر سے ان چیزوں کو سنّت اور حنفیت کا معیار قرار دیتے ہیں۔

اب آپ ہی بتائیں اذان میں یہ انگوٹھے چومنے والے اپنے اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں.

بریلوی حضرات کو اگر واقعی یہ یقین ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو. سند میں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی. ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع درجے

تک نہ پہنچی ہو۔ علامہ سخاویؒ (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:۔

یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔[1]

ترجمہ۔ فضائل اور ترغیب و توبیخ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز اور مستحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ بہ بانگ دہل فرمارہے ہیں:

انگشت بوسی کی تمام روایتیں جعلی ہیں

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تیسیر المقال میں ان احادیث کے بارے میں فیصلہ یہ دیا ہے:۔

الحدیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی الله علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات۔[2]

ترجمہ۔ وہ احادیث جو حضورؐ کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔

[1] القول البدیع ص۱۹۵ [2] ماخوذ از عماد الدین ص۱۲۳ مطبوعہ ۱۹۷۸ء

وہ حدیثیں جن میں دوران اذان مؤذن سے کلمۂ شہادت میں آں حضرت ﷺ کا نام نامی سننے کے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب من گھڑت، موضوع اور جعلی ہیں۔

گجرات کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری بھی لکھتے ہیں:۔
نام مبارک لے کر، یا سُن کر، انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا اور مسنون سمجھنا اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔[۱]

[۱] فتاویٰ رحیمیہ جلد ا ص۵۸

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ نماز مسنون ص ۲۵۷ پر لکھتے ہیں:

اس سلسلہ کی جو روایات جواز کی پیش کی جاتی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں، بڑے بڑے محدّثین کرام مثلاً علامہ شمس الدین سخاویؒ، ابن طاہر فتنیؒ، زرقانی مالکیؒ، ملا علی قاری حنفیؒ، علامہ عینی حنفیؒ علامی جلال الدین سیوطیؒ، شاہ عبدالعزیز

محدث دہلویؒ، کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل غیر مشروع اور ممنوع ہے اور ان احادیث کے خلاف ہے، جو صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں اذان کے جواب کا طریقہ سکھلایا گیا ہے۔

قارئین کرام: علمائے دیوبند کا اس میں کیا قصور ہے کہ محدّثین موقوف اور مرفوع تمام روایتوں کو ہی اس مسئلہ میں من گھڑت اور جعلی ٹھرا رہے ہیں، اور پیارے پیغمبر ﷺ یا کسی صحابی کی طرف بھی قولی یا عملی جو روایتیں اس معاملے میں منسوب کی جاتیں ہیں، سب کو جھوٹ، غلط، بھتان اور افترأ محض قرار دے رہے ہیں۔

پیارے پیغمبر ﷺ کے ساتھ محبت کے اظہار کا صحیح طریقہ

معلوم ہوا کہ لفظ محمد ﷺ سے محبت کا اظہار انگلیوں کو چومنے کے ذریعے نہیں ہوتا، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ احترام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام لیا جائے، اور اس کے ساتھ درود شریف پڑھا جائے، یہی محبّت والوں کا صحیح

طریقہ ہے، اور انگوٹھے تو ہر وقت انسان کے ساتھ ہی رہتے ہیں، نہ تو ان سے پیارے پیغمبر ﷺ کا اسم گرامی صادر ہوتا ہے اور نہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے، جب اس فعل کا صحیح احادیث سے ثبوت فراہم ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو کیسے دین کہا جا سکتا ہے، اور کس طرح اس کو دین کا شعار بنانا درست ہے، اور نہ کرنے والوں کو ملامت کیا جا سکتا ہے جبکہ اذانیں پیارے پیغمبر ﷺ اور خیر القرون کے زمانے میں بھی ہوتی تھیں۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات و رسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ لله على توفيقهِ وأسألُه تعالى المزيدَ من فضلهِ، وأنْ يرْزُقَني محبّةَ لقائهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة، ﴿مَعَ الَّذينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِم من النَّبيِّينَ والصِّدِّيقينَ والشُّهداءِ والصَّالِحين وحَسُنَ أُولٰئك رَفيقاً﴾.

محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہ: ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۷ اپریل ۲۰۱۳)

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

نہیں توبہ کا منہ بعد ایں گفتارِ عصیانی
مگر کرتا ہوں میں جرأت نظر بر فضلِ ربانی

تری رحمت سے یا رب کفر ہے مایوس ہو جانا
کہ ہے لاتقنطوا خود ہی ترا ارشادِ حقانی

ترے دریائے رحمت کے مقابل چیز ہی کیا ہے
مری ناپاک قلبی اور مری آلودہ دامانی

بہت دن سرکشی کی میں نے لیکن اب بصد خجلت
میں پھر رکھتا ہوں مولا تیرے در پر اپنی پیشانی

مدد یا رب مدد یا رب کہ میں نرغے میں ہوں بے ڈھب
ادھر تسویلِ نفسانی، ادھر اغوائے شیطانی

میں مغلوبِ طبیعت ہوں میں محتاجِ اعانت ہوں
بہت کوتاہ ہمت ہوں بہت ہے ضعفِ ایمانی

غریقِ بحرِ غفلت ہوں، اسیرِ حرص و شہوت ہوں
بہت محتاجِ رحمت ہوں دکھا دے شانِ ربانی

عنایت کر، عنایت کر، عطا اب استقامت کر
مرے دیں کی حفاظت کر، مرے ایماں کی نگرانی

بس اب تو خوابِ غفلت سے الٰہی مجھ کو چونکا دے
رہوں تا عمر تیری راہ میں سرگرم جولانی

خدایا اپنی قدرت سے کرا دے طے کرا دے طے
مدارج ہائے ایمانی و عرفانی و ایقانی

مرے مولا، مرے قادر، مرے مالک مرے ناصر
مدد کرنا دمِ آخر، مروں با نورِ ایمانی

مرے خالق، مرے رہبر مرا کر خاتمہ حق پر
بحقِ شافعِ محشر، عطا کر باغِ رضوانی